یہ کیسی دینداری ہے!

شمس پیرزادہ رحمۃ اللہ علیہ

{}

ادارہ دعوۃ القرآن

۵۹ محمد علی روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۳

IDARA DAWATUL QURAN

59,Muhammad Ali Road Mumbai -400003

Phone: 23465005

چھٹا ایڈیشن ۱۰۰۰

دسمبر ۲۰۱۶ء

price: Rs.18/-

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
عرض ناشر	۳
پیش لفظ	۵
تمہید	۷
بدعت کیا ہے	۸
بدعت اور اجتہاد کا فرق	۱۰
انبیاء اور اولیاء کے لئے علم غیب اور تصرف کا عقیدہ	۱۲
خواب وخیال	۱۵
اولیاء پرستی	۲۳
نذر ونیاز اور فاتحہ	۲۶
مُحرَّم بدعتوں کے شباب کا مہینہ	۳۱
عید میلاد النبی	۳۶
گیارہویں	۳۹
رجب کے کونڈے اور شب معراج	۴۱
شب برأت	۴۱
دو قبلے	۴۷

عرض ناشر

شرک و بدعات کا چلن اس قدر عام ہوگیا ہے کہ عوام تو عوام خواص بھی، اس میں مبتلا ہوتے نظر آرہے ہیں۔ سیدھے سادے دین کا حلیہ بگاڑ دیا گیا ہے۔ مہد سے لے کر لحد تک کی اسلامی تعلیمات پر ملمع سازی کی جارہی ہے۔ روز بروز نت نئی بدعتیں ایجاد کی جارہی ہیں۔

مثال کے طور پر شب برأت کو لیجئے۔ اس کے تعلق سے قرآن تو کیا صحیح احادیث میں بھی کوئی ذکر نہ ہوتے ہوئے اس کو اس انداز سے منایا جاتا ہے کہ اس کے آگے ''شب قدر'' جس کی فضیلت میں قرآن مجید میں پوری سورہ نازل ہوئی ہے، ماند پڑ جاتی ہے۔

شب برأت میں سال کے نمازی زرق برق لباس پہنے اس طرح امڈ آتے ہیں کہ راستے پر چلنے کو بھی جگہ نہیں ملتی۔ جب کہ شب قدر کی طاق راتوں کو چھوڑیئے ستائیسویں شب کو بھی مشکل سے مسجدیں بھر پاتی ہیں۔ قرآن وحدیث میں جتنی فضیلتیں شب قدر کے بارے میں آئی ہیں وہ سب شب برأت پر چسپاں کی گئیں ہیں جس سے شب قدر کی اہمیت ہی گھٹ گئی ہے۔ مغرب کی نمازوں کے بعد گناہوں سے مغفرت، عمر میں طوالت، رزق میں برکت اور مصیبتوں سے عافیت کیلئے دو دو رکعتیں کر کے نفلیں پڑھی جاتی ہیں۔ جب کہ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ شب قدر میں عطا کرتا ہے۔ اُس رات طلوع فجر تک جبرئیل علیہ السلام اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔

مولانا شمس پیرزادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے ان بدعات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ جو لوگ کھلے دماغ سے اس کتابچہ کا مطالعہ کریں گے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے۔ الحمدللہ بعض قارئین کا یہ تاثر بھی ہے کہ اتنے اچھے انداز سے یہ باتیں ہم کو آج تک کسی نے نہیں بتائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کے درجات بلند کرے اور ہم سب کو صحیح اسلام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد صدیق قریشی
سکریٹری
ادارہ دعوۃ القرآن ممبئی ۴۰۰۰۰۳

بسم الله الرحمن الرحیم

پیش لفظ

افسوس اور صد افسوس کہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد دین سے لاعلم بھی ہے اور بے پرواہ بھی۔ انہیں اپنے مسلمان ہونے پر فخر ضرور ہے لیکن ان میں اسلام کی کوئی خوبو پائی نہیں جاتی۔ البتہ ایک تعداد ایسی ہے جو بظاہر دیندار ہے مگر ان کی دینداری حق و باطل کی آمیزش ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اسلام کی مخلصانہ پیروی کرنے والے ہوں۔ یہ دوسرا گروہ جن کی زندگیوں میں حق و باطل کی آمیزش ہے اس وقت زیر بحث ہے۔ یہ لوگ بُری طرح بدعات وخرافات، حتیٰ کی شرک میں بھی مبتلا ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں۔ بے بصیرت اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلنے والے علماء نے ان کو یہ باور کرا دیا ہے کہ یہ کام نیکی کے ہیں اور جو لوگ ان کو بدعت اور شرک قرار دیتے ہیں وہ صحیح العقیدہ لوگ نہیں ہیں۔ پھر شیطان نے اُن اعمال کو خوشنما بنا کر ان کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ وہ گمراہی میں مبتلا رہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ ایک نبی کے گذر جانے کے بعد اس کی امت میں ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو ''يَقُولُونَ مَالَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَالاَ يُوْمَرُوْنَ'' وہ بات کہتے ہیں کہ جو کرتے نہیں اور وہ کام کرتے ہیں جن کا حکم نہیں دیا گیا''۔ یہ حدیث ان پر صادق آجاتی ہے۔ یہ لوگ باتوں کے دھنی ہوتے ہیں مگر کردار کے بودے اور ان کاموں سے انہیں خصوصی دلچسپی ہوتی ہے جن کے کرنے کا کوئی حکم شریعت نے نہیں دیا ہے۔ جو لوگ بدعتوں میں ملوث ہیں

ان کے کاموں کا جائزہ لیجئے تو صاف دکھائی دے گا کہ جن کاموں کی اسلام میں کوئی اہمیت نہیں ہے ان پر یہ سردھڑ کی بازی لگا رہے ہیں۔ اور جو کام دین میں بڑی اہمیت کے ہیں ان کی طرف بے اعتنائی برت رہے ہیں۔

ان لوگوں میں اصلاح کا کام کرنا بھی آسان نہیں ہے کیوں کہ یہ اپنی رائے کے خلاف کچھ سننے کے روادار نہیں ہیں۔ تاہم جن کی فطرت بالکل مسخ نہیں ہوئی ہے اور خیر پسندی کا جذبہ جن میں باقی ہے ان کی اصلاح کی توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ پمفلٹ اسی غرض سے لکھا گیا ہے کہ یہ آواز اگر ان تک پہنچ سکے تو کیا عجب اللہ تعالیٰ ان کے حق میں اسے مفید بنائے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو اور وہ اللہ کی طرف پلٹ آئیں۔ اور ہمارا کام تو ہر حال میں اصلاح کی کوشش کرنا ہے۔ اس طور سے کہ مذہبی جھگڑوں کی فضاء پیدا نہ ہو۔ حق پوری طرح واضح ہو اور اس کے پیش کرنے کا انداز معقول اور دلوں کو اپیل کرنے والا ہو۔ اور جن کی اصلاح مطلوب ہے ان کے ساتھ دردمندی کا اظہار ہو۔ اس پمفلٹ کی تالیف میں ان باتوں کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

شمس پیرزادہؒ

۱۴؍صفر ۱۴۱۷ھ / ۲۰؍جون ۱۹۹۷ء

سابق چیئرمین ادارہ دعوة القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر دین حق ''اسلام'' نازل فرماتا رہا ہے جس کو اللہ کے رسول من و عن لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ اور اس کو عملی جامہ پہنانے کا طریقہ اپنی سنت سے واضح کرتے رہے ہیں مگر بعد میں ان کے پیرو اپنی خواہشات کی پیروی میں دوسری چیزوں کی اس میں آمیزش کرتے رہے ہیں۔ اس طرح دین میں بدعتوں یعنی نئی نئی باتوں کا اضافہ ہوتا رہا۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دین حق کے ساتھ بھیجا اور اس کو مکمل شکل میں نازل کر کے انسان کی پوری زندگی کے لئے رہنمائی کا سامان کیا۔ اس رہنمائی کو نبی ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعہ عملی شکل میں پیش فرمایا۔ اس طرح دین اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ خالص شکل میں قرآن وسنت کے اندر محفوظ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو اُمّت برپا کی تھی اس نے اس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کر کے خیر امت ہونے کی سعادت حاصل کر لی۔

بعد میں جب اس امت کے اندر عجمیوں کی کثرت ہو گئی اور آپس میں چپقلش بڑھ گئی تو مختلف گروہوں نے دین کو اپنے اپنے قالب میں ڈھالنا شروع کیا۔ ایک طرف بصیرت کی کمی اس دین کی روح کو متاثر کرتی رہی تو دوسری طرف غلط افکار اور عمل کے نت نئے طریقے یا تو اپنی سادہ لوحی کی بنا پر یا خواہشات کی پیروی میں اس دین میں داخل کرتے رہے۔ اس طرح اصل دین پر حاشیہ آرائی کی جاتی رہی اور بدعتوں نے راہ پالی۔

موجودہ زمانہ میں تو بے بصیرت علماء کی سرپرستی میں بدعات وخرافات کو خوب فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ ان کے حواری بے دریغ روپیہ ان باتوں پر خرچ کرتے ہیں جن کے کرنے کا حکم

شریعت نے نہیں دیا اور جو دین میں اضافہ اور باعثِ معصیت ہیں۔ ان بدعتوں نے عوام کو بُری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اصلاح کی فکر کی جائے۔

بدعت کیا ہے

بدعت کے لغوی معنی ''نئی چیز'' کے ہیں۔ اور شرعی اصطلاح میں جس چیز کو بدعت کہا جاتا ہے اس کو نبی ﷺ کی حدیث واضح طور پر بیان کرتی ہے:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهورد (مسلم کتاب الاقضیہ) ''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی، جو اس میں سے نہیں ہے، وہ مردود ہے''۔

بدعت کی یہ حقیقی اور جامع تعریف ہے۔ اس کی رو سے ہر وہ بات جو دین میں ترمیم یا اضافہ کی حیثیت رکھتی ہو بدعت ہے۔ خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات سے یا دین کے کسی شعبہ سے۔ کسی بھی چیز پر جب دین کی چھاپ لگ جائے تو یہی باور کیا جائے گا کہ یہ اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے۔ یا اس کے نزدیک یہ عمل پسندیدہ ہے، درآنحالیکہ دین میں اس کی وہ حیثیت نہیں ہوتی۔ دین تو اُسی کو کہا جا سکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کا فرمودہ ہے۔ اپنی طرف سے جو بات بھی دین میں داخل کی جائے گی اس کے بارے میں خود قرآن ناطق ہے کہ وہ اللہ پر کذب وافتراء ہے۔ کیوں کہ اللہ کی مرضی معلوم کرنے کا طریقہ وحی ہے، لہٰذا جو شخص بھی اپنی طرف سے کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے، یا اس کے دین میں شامل کرتا ہے، وہ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے جس کی قرآن میں جا بجا مذمت کی گئی ہے۔ ایک جگہ مشرکین کی بدعتوں پر گرفت کرتے ہوئے ان سے سوال کیا گیا ہے کہ:

قُلْ اٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (یونس۔۵۹)

''پوچھو کیا اللہ نے تم کو اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب

کرتے ہو''۔

دوسری جگہ فرمایا: **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** (النحل۔۱۱۶)

''اور تمہاری زبانیں جو جھوٹے حکم لگاتی ہیں اس کی بناء پر یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کرنے لگو''۔

یہود کی من گھڑت باتوں پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (آل عمران۔۲۴)

''اُن کی اِن من گھڑت باتوں نے ان کے دین کے بارے میں ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔''

اس سے واضح ہوا کہ بدعت کوئی معمولی گناہ نہیں بلکہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور بعض صورتوں میں تو اس کے ڈانڈے شرک سے مل جاتے ہیں جو ناقابل معافی گناہ ہے۔

بعض علماء نے بدعت کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کر کے کتنی ہی بدعتوں کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن بدعت کی اس تقسیم کے لئے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ حدیث میں ہر قسم کی بدعت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے:

و کل بدعة ضلالة۔ (مسلم کتاب الجمعۃ) ''ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس تقسیم کے نتیجہ میں لوگوں کو بدعت کے معاملے میں بڑا الاؤنس مل گیا ہے وہ کسی بھی کام کو جو کسی شرعی دلیل پر مبنی نہیں ہے مگر اپنی خواہش کی بناء پر اس کو تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دینا چاہتے ہیں ''بدعت حسنہ'' کا پُرفریب نام دیکر جائز قرار دیتے ہیں۔ اس طرح بے شمار بدعتیں رواج پا گئی ہیں۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ جن کاموں کو شریعت نے حرام اور منکر قرار دیا ہے وہ یقیناً گناہ کے کام ہیں۔ لیکن ان کے لئے بدعت کی اصطلاح استعمال نہیں کی جاتی۔ البتہ اگر کسی حرام یا منکر کا ارتکاب کار ثواب سمجھ کر کیا جائے تو وہ بدعت کہلائے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص رقص و سرود سے ذکر الٰہی کی محفل آراستہ کرتا ہے تو رقص و سرود محض منکر نہیں رہے گا بلکہ بدعت بن جائے گا۔ کیوں کہ اس نے اس منکر کو تقرب کا ذریعہ بنایا اور دینی حیثیت دے دی۔

بدعت اور اجتہاد کا فرق

بدعت کے حامی اجتہادی امور کی مثالیں بدعتوں کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور اجتہادی امور کو پیش کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ بھی تو نئی باتیں ہیں جو دین میں پیدا کر دی گئیں۔ حالانکہ اجتہاد اور بدعت میں بین فرق ہے۔ اجتہاد پیش آمدہ مسائل میں کیا جاتا ہے یعنی حالات و زمانہ کے تغیر سے جب کوئی مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے تو شریعت سے اقرب چیز کو اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جس کی جلی یا خفی دلیل شریعت میں موجود ہوتی ہے۔ اور یہ اجتہاد عموماً معاملات میں کیا جاتا ہے نہ کہ عبادات میں۔ کیوں کہ عبادات کے طور طریقوں اور ان کی ہیئت و کیفیت کو وحی الٰہی ہی متعین کرتی ہے۔ عقل کا ان میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ مستقل ہوتی ہیں اور ہر زمانہ میں یکساں طور سے مطلوب ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر پنجوقتہ نمازیں ہمیشہ کے لئے فرض ہوئی ہیں۔ لہٰذا کسی شخص کو اختیار نہیں پہنچتا کہ چھ وقت کی نمازیں فرض قرار دے۔ اسی طرح فرض نمازوں کی تعداد شریعت نے مقرر کر دی ہے۔ اب کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ظہر کی چار فرض رکعتوں کے بجائے پانچ یا چھ رکعتیں پڑھوں گا کہ یہ کار ثواب ہی تو ہے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو سرے سے اس کی نماز ہی نہیں ہوگی۔

عبادات میں اگر کوئی اجتہاد کیا جاتا ہے تو اس صورت میں، جب کہ حالات کے تغیر کی بنا پر کسی عبادت کو مقررہ ضوابط کے ساتھ ادا کرنا ممکن نہ ہو۔ مثلاً قطبین پر جہاں چھ ماہ تک سورج غروب نہیں ہوتا، پنجوقتہ نماز کے اوقات قیاس سے متعین کرنا۔ ہوائی جہاز میں بیٹھے بیٹھے اور قبلہ رخ ہوئے بغیر نماز ادا کرنا وغیرہ۔ اور جہاں تک عقائد کا تعلق ہے تو وہ قطعی اور بین ہیں۔ ان کا تعلق حقائق سے ہے اس لئے وہ مستقل ہیں اور ان میں اجتہاد کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

معاشرتی امور نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کو بھی قرآن میں بڑی تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے اس لئے ان میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے البتہ اگر ان کی تطبیق میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہوں تو اصل احکام کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے مصالح کی مناسبت سے اجتہاد کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اکٹھی تین طلاقوں کو طلاقِ بدعت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ طلاق کے سنت طریقے کے خلاف ایک نیا طریقہ ایجاد کر لیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ بدعت معاشرتی امور میں بھی ہوتی ہے۔

رہے معاملات بیع و شراء وغیرہ تو ان کے سلسلہ میں اصولی ہدایات دی گئی ہیں۔ اور حالات اور زمانہ کے تغیر سے ان کی تعمیل و تنفیذ میں مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور پیش آمدہ نئی نئی صورتوں پر ان کے انطباق کے لئے اجتہاد ناگزیر ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ اجتہاد مخصوص دائرہ میں کیا جاتا ہے اور اس صورت میں کیا جاتا ہے جب کہ کوئی مسئلہ درپیش ہو۔ کسی حقیقی ضرورت کے پیش آئے بغیر اجتہاد کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بدعت کا تعلق نہ تو حقیقی ضرورت سے ہوتا ہے اور نہ وہ اجتہاد کی شرائط کو پورا کرتی ہے۔ بدعتیں عام طور سے کارِ ثواب سمجھ کر عبادات میں شامل کی جاتی ہیں اور ان کی پابندی اس طرح

لازم قرار دی جاتی ہے کہ جو لوگ ان کی پابندی نہ کریں ان کی دینداری پر شبہ کیا جاتا ہے اور انہیں مطعون کیا جاتا ہے۔

انبیاء اور اولیاء کیلئے علم غیب اور تصرف کا عقیدہ

مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ انبیاء اور اولیاء اگرچہ ان کی وفات ہو گئی ہے لیکن روحانی طور پر ان کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ غیب کی باتیں جانیں اور دنیا کے کاروبار میں تصرف کریں۔ چنانچہ وہ پکارنے والے کی پکار خواہ وہ زمین کے کسی گوشہ سے بول رہا ہو اور کسی زبان میں بھی فریاد کر رہا ہو سنتے ہیں اور اس کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ مثلاً بیمار کو شفاء بخشتے ہیں، غریب کو امیر بناتے ہیں، اور تکلیفوں اور مصیبتوں کو دور کرتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے اپنے بزرگوں (اولیاء) کو طرح طرح کے لقب دے رکھے ہیں۔ کسی کو غریب نواز کا تو کسی کو بگڑی بنانے والے کا تو کسی کو دستگیر کا، یہاں تک کہ انہوں نے غوث الاعظم (سب سے بڑے فریادرس) کا لقب بھی حضرت عبدالقادر جیلانی کے لئے تراشا۔ غیر اللہ کے لئے اس قسم کا عقیدہ رکھنا نہ صرف بدعت بلکہ کھلا شرک ہے۔ لیکن عقیدۂ توحید سے انحراف کرنے اور انبیاء اور اولیاء کے بارے میں غلو کرنے والے علماء نے ان کو یہ پٹی پڑھا دی ہے کہ یہ نہ بدعت ہے اور نہ شرک کیوں کہ اللہ ہی نے ان کو علم کی مخصوص قوت عطاء کی ہے جس کے ذریعہ ان پر مخفی امور اور احوال کا انکشاف ہوتا ہے اور اسی نے انہیں دنیا کے کاروبار میں تصرف کا اختیار بھی بخشا ہے جس کے ذریعہ وہ مصیبت زدہ لوگوں کی دستگیری اور ضرورتمندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ اس عقیدے کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم ان چیزوں کو انبیاء اور اولیاء کی ذاتی صفت نہیں مانتے بلکہ ان کو عطائی یعنی اللہ کی عطاء کردہ سمجھتے ہیں اس لئے اس عقیدہ کو شرک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ایک پُر فریب تاویل و توجیہ ہے جو انہوں نے اپنے خود ساختہ

عقیدہ کی کر لی ہے جس کی وجہ سے عوام کا جم غفیر عقیدہ کی گمراہی میں مبتلا ہو گیا ہے۔

درحقیقت عقیدہ کا معاملہ قیاسی ہے نہ اجتہادی اور نہ اسے روایات پر چھوڑ دیا گیا ہے جن میں راوی کے خطا ونسیان کا امکان ہوتا ہے بلکہ اس کا تعلق ایمانیات سے ہے۔ اور ایمانیات کو قرآن نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے اس لئے وہ بالکل قطعی ہیں، ان پر نجات کا دارومدار ہے اور ان میں کسی قسم کی کمی بیشی کفر قرار پاتی ہے۔ قرآن نے ان ایمانیات (جن باتوں پر ایمان لانا ہے) کو علم سے تعبیر کیا ہے اور اس علم کے مقابلہ میں جو بات بھی کہی جائے گی اسے اھوائھم (خواہشات) کی پیروی قرار دیا ہے:

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآئَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآئَکَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (بقرۃ۔۱۲۰)

''اور تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آ چکا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تمہارے لئے اللہ کی گرفت سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار''۔

وَاِنَّ کَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ (انعام۔۱۱۹)

''اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو علم کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بناء پر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔''

اور جس بات کا علم حاصل نہیں اس کے پیچھے پڑنے سے منع کر دیا گیا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَالَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ (اسراء۔۳۶)

''اور جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو''۔

لہٰذا ایمان وعقیدہ کا لازماً قطعی اور بین دلیل ''علم'' پر مبنی ہونا چاہئے اور قرآن ایمان و عقیدہ کے لئے حجتِ قاطع ہے اس لئے کہ وہ سرتاسر علم ہے۔ جو لوگ کمزور دلائل کا سہارا لے

کر یا قیاس آرائی کر کے کسی عقیدہ کا اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

درحقیقت عقیدہ کا تعلق غیبی امور سے ہے اور غیبی امور جاننے کا ذریعہ وحی الٰہی ہے اور وحی الٰہی سے علم کی روشنی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے جو شخص بھی عقیدہ کے تعلق سے کوئی ایسی بات کہتا ہے جس کو وحی الٰہی نے بیان نہیں کیا ہے وہ غیبی امور کے بارے میں صریح جھوٹ بولتا ہے اور اللہ پر افترا پردازی کرتا ہے۔ اسی قبیل سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو اللہ نے علم کی مخصوص قوت عطا کی ہے جس کے ذریعہ ان پر مخفی امور اور احوال کا انکشاف ہوتا ہے اور اس نے انہیں دنیا کے کاروبار میں تصرف کا اختیار بھی بخشا ہے جس کے ذریعہ وہ مصیبت زدہ لوگوں کی دستگیری اور ضرورتمندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور اولیاء کو ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کی روحوں کو جو عالم برزخ میں ہیں یہ قوتیں عطاء کی ہیں جن کے ذریعہ وہ اس دنیا میں تصرف کرتے رہتے ہیں؟ قرآن میں کہیں اس کی نشاندہی کی جاسکتی ہے جو حق و باطل کیلئے فرقان (کسوٹی) ہے۔ اور عقائد کو جس نے کھول کر بیان کیا ہے تو پھر یہ من گھڑت بات نہیں تو اور کیا ہے؟ جو لوگ اس عقیدہ کے قائل ہیں وہ اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھ رہے ہیں کیوں کہ اللہ نے انبیاء اور اولیاء کو نہ اس قسم کے اختیارات بخشے ہیں اور نہ یہ مشرکانہ تصور عقیدہ توحید سے میل کھاتا ہے۔ عطائی اور وہبی اختیارات کہنے سے شرک کی نفی نہیں ہوتی کیوں کہ اس تاویل کے بعد عملاً جو رویہ انبیاء اور اولیاء کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے وہ ان کو حاضر ناظر جان کر حاجت روائی کیلئے پکارنے اور فریادرسی کیلئے ان کی دہائی دینے کا ہوتا ہے اور ان کے حضور نذر و نیاز پیش کی جاتی ہے جو سراسر مشرکانہ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان تو وہی

معتبر ہے جس میں شرک کی کوئی آمیزش نہ ہو:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَہُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ الۡاَمۡنُ وَہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ۔

''جولوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا ان ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں۔'' (انعام۔۸۲)

آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے اور قرآن میں شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے لہٰذا جہاں عقیدہ میں شرک کی آمیزش ہوئی وہاں نہ توحید خالص باقی رہ سکتی ہے اور نہ ایمان سلامت رہ سکتا ہے۔

خواب وخیال

ایک بدعت جس نے دعوت وتبلیغ اور اصلاح وموعظت کے لئے نیا قالب تجویز کیا ہے، خواب وخیال کی باتیں ہیں، جن کو بڑے اہتمام کے ساتھ بزرگوں سے عقیدت پیدا کرنے کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ ایک سے ایک عجیب خواب سنا کر ذہنوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ بزرگوں کی عظمت کا تصور پیدا ہو، ان سے عقیدت بڑھے اور ان کے طور طریقوں کی لوگ پیروی کریں۔ لیکن اس طریقۂ تبلیغ وموعظت کی تعلیم نہ قرآن نے دی ہے اور نہ پیغمبرِ قرآن نے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام اور سلف صالحین میں یہ طریقہ رائج نہیں ہوا بلکہ یہ بعد کے دور کی پیداوار ہے۔

اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ لوگ قرآن فہمی سے دور ہوتے چلے گئے اور بزرگوں کے اقوال کو قبول کرتے چلے گئے، خواہ وہ قرآن وسنت کی تعلیم کے مطابق ہوں یا نہ ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا بزرگوں کا ہر خواب سچا ہوتا ہے؟ یہ خصوصیت تو انبیاء علیہم السلام کی ہے جن کا ہر خواب حقیقت ہوتا ہے کیوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تحفظ حاصل ہوتا ہے چنانچہ سورۂ جن میں ارشاد ہوا ہے:

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ۔ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَمِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا۔ لِّیَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّہِمۡ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیۡہِمۡ وَ اَحۡصٰی کُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًا۔ (جن۔۲۶ تا ۲۸)

''غیب کا جاننے والا وہی ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس کے جسے اس نے رسول کی حیثیت سے پسند فرمالیا ہو۔ تو اس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے۔ تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچادئے۔ اور وہ ان کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز کو اس نے گن رکھا ہے۔''

یعنی غیب کی باتیں بذریعہ وحی رسول پر ظاہر کی جاتی ہیں۔ اور ان کے آگے اور پیچھے حفاظت کے لئے فرشتے لگادئے جاتے ہیں تاکہ شیطان کو دخل اندازی کا موقع نہ ملے۔ اور وہ بے کم وکاست اپنے رب کے پیغامات بندگان خدا تک پہنچاسکیں۔

نبی ﷺ نے مؤمن کے اچھے خواب کو مبشرات (خوشخبری سے تعبیر فرمایا ہے لہٰذا اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ نیک خواب مؤمن کے لئے باعث مسرت ضرور ہوتا ہے لیکن اس سے زیادہ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ اتباع شریعت کی کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ خوابوں کی۔ بزرگوں کے خوابوں کو بھی ان سے عقیدت پیدا کرنے کا ذریعہ شریعت نے نہیں بنایا ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام کے زمانہ میں یہ طریقہ رائج نہیں رہا کہ وہ اپنے نیک خواب بیان کرتے پھریں اور لوگ ان کو سن کر ان کے عقیدت مند بنتے چلے جائیں۔ اور نہ سلف صالحین نے صحابۂ کرام اور نیک شخصیتوں کے خوابوں کو ذریعۂ ارشاد وتبلیغ بنایا۔

یہ طریقہ تو صوفیوں کا ایجاد کردہ ہے اور موجودہ زمانہ میں تبلیغ واصلاح کا کام کرنے والے اس کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱)'' ابن جلاؒ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا مجھ پر فاقہ تھا۔ میں قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا حضور میں آپ کا مہمان ہوں۔ مجھے کچھ غنودگی سی آ گئی تو میں نے حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی۔ حضور نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی۔ میں نے آدھی کھائی اور جب میں جاگا تو آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔'' (فضائل حج ص ۱۳۳)

مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں لوگوں کی فریاد سنتے ہیں، خواہ وہ کسی زبان میں کی گئی ہو اور مدد کو بنفس نفیس پہنچتے ہیں۔ نبی ﷺ پر یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے جو باندھا گیا ہے۔ ورنہ اس کے لئے دین میں کوئی دلیل نہیں اور ایسی بے سروپا باتیں پھیلانا عظیم گناہ کا موجب ہے۔ کسی بزرگ کی طرف ایسے خواب منسوب کر کے دین کی خدمت تو نہیں کی جاسکتی البتہ فاسد عقائد پیدا کئے جاسکتے ہیں۔

(۲)'' شیخ احمد بن محمد صوفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں جنگل میں تیرہ ماہ تک حیراں پریشاں پھرتا رہا۔ میرے بدن کی کھال بھی چھل گئی میں اسی حالت میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا اور روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر حضور کی خدمت میں اور حضرات شیخینؓ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ اس کے بعد میں سو گیا میں نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ ارشاد فرمایا احمد تم آئے میں نے عرض کیا کہ جی حضور حاضر ہوا ہوں اور میں بھوکا بھی ہوں آپ کا مہمان ہوں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھ کھولو میں نے دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ حضور ﷺ نے ان کو دراہم سے بھر دیا میری جب آنکھ کھلی تو دونوں ہاتھ درہم سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے اسی وقت روٹی اور فالودہ خریدا اور کھا کر جنگل چلا گیا۔ (وفاء)'' (فضائل حج ص ۱۳۴)

یہ خواب خواہ کسی بزرگ کا بیان کردہ ہو بالکل من گھڑت ہے۔ کیوں کہ شرعاً یہ عقیدہ ہی

فاسد ہے کہ نبی ﷺ قبر سے اٹھ کر آتے ہیں اور کسی کی جھولی بھر دیتے ہیں۔ کیا ایسے واہی تباہی قصے محض اس لئے قبول کر لئے جائیں کہ ان کو فلاں اور فلاں شخصیت نے بیان کر دیا ہے۔ جب کہ وہ عقیدۂ توحید کے خلاف ہوں۔ یہ تو صریح بزرگ پرستی اور اندھی تقلید ہوگی۔

(۳) حال ہی میں حضرت شیخ دامت برکاتہم نے ایک مبارک اور بہت عجیب وغریب خواب دیکھا محمد یحییٰ (صاحبزادے حضرت شیخ) کے ہاتھ کے اوپر حضرت شیخ دامت برکاتہم کا ہاتھ ہے اور حضرت شیخ کے ہاتھ پر جناب باری تعالیٰ سبحانہ کا دست اقدس ہے۔ اللہ رب العزت کا ہاتھ اتنا خوبصورت اور روشن تھا کہ زبان وقلم اس کی تصویر کشی سے عاجز ہیں۔ اس خواب میں حق تعالیٰ جل مجدہ کا پورا پورا ہاتھ نظر نہیں آیا بلکہ صرف پنجہ ہی کا مشاہدہ ہوا۔ اس طرح گویا حضرت شیخ کو آیت قرآنی اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ کی عملی تفسیر کا فی الجملہ عینی مشاہدہ نصیب ہو گیا۔

یہ خواب جہاں بہت مبارک اور مسعود خواب ہے۔ وہیں اس سے سلوک وتصوف اور احسان وتزکیہ کی بابت بھائی یحییٰ صاحب کے مقام ومرتبے کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ (فیوض مدنی ص ۳۳۔۳۴)

لیجئے خواب میں اللہ کا دیدار بھی ہو گیا۔ اب ان بزرگ کے مقام ومرتبہ کے بارے میں شک کی کیا گنجائش رہ گئی! جو سعادت صحابۂ کرام کو حاصل نہیں ہو سکی وہ ہمارے ان بزرگ کو سلوک وتصوف کی راہ طے کرنے کی بنا پر حاصل ہو گئی۔ بزرگ پرستی کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ لوگوں کو حقیقت کی دنیا سے نکال کر خوابوں کی دنیا میں لے جایا جائے۔

(۴) دیوبند پہنچ کر ایک ہی تانگہ میں سوار ہو کر حضرت کے دولت خانہ پر پہنچے ۔۔۔۔۔ دورۂ حدیث پڑھنا شروع کیا۔ احاطہ باغ میں نسائی شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک

غنودگی طاری ہوگئی۔اسی دوران حضرت رسول اکرم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ۔۔۔۔دوپہر کے وقت مہمان خانہ میں تشریف لاکر مریدین کے ساتھ تخلیہ کرتے تھے اور انہیں ذکر کی تلقین کرتے تھے۔میں روزانہ حضرت کے قریب بیٹھ کر آپ کی داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیرتا تھا۔ایک دن میں نے کہا حضرت مجھے کوئی ذکر بتا دیجئے تو فاس انفاس کا ذکر بتلایا۔کیا بتلاؤں ایک ہفتہ تک اندھیرا ہی اندھیرا محسوس ہوتا رہا۔قرآن کے حروف بھی نظر نہیں آتے تھے ایک دن خواب میں دیکھا کہ میں نے اپنے آپ کو ذبح کر ڈالا۔حضرتؒ جنازہ کی نماز پڑھا رہے ہیں۔حضرت کو خواب سنایا۔اس وقت حضرتؒ کے خلفاء آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے بتلایا کہ تم فنافی الشیخ ہوگئے ہو۔(فیوض مدنی ۲۸)

ایسا اندھیرا محسوس ہونا کہ قرآن کے حروف بھی نظر نہ آئیں کوئی خوبی کی بات تو ہے نہیں۔مگر اس کو بھی شیخ کی کرامت سمجھ لیا گیا۔اور تصوف میں یہی ہوتا ہے کہ جنوں کا نام خرد رکھ لیا جاتا۔پھر خواب کی تعبیر بتا کر کس طرح فنافی الشیخ کی ترغیب دی گئی ہے۔قرآن وسنت میں فنافی الشیخ کی کہیں تعلیم دی گئی ہے! پھر یہ بدعت اور شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآن تو کہتا ہے:

كُوْنُوْا رَبَّانِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (آل عمران ۷۹۔)

''ربانی (اللہ والے) بنو جیسا کہ کتاب الٰہی کا تقاضا ہے جس کی تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو اور خود بھی پڑھتے ہو۔''

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۔ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ (الم نشرح۔۷،۸)

''پس جب تم فارغ ہو تو عبادت میں سرگرم ہو جاؤ۔اور اپنے رب ہی سے لَو لگاؤ''۔

یعنی اللہ سے لَو لگانے اور یکسو ہو کر اس کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔تصور شیخ اس کے بالکل منافی ہے۔قرآن میں اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور احادیث صحیحہ میں بھی ذکر الٰہی کی کثرت سے تعلیم دی گئی ہے۔فنافی الشیخ قرآن وسنت کی تعلیم سے صریح انحراف ہے۔

(۵)''ایک بی بی نے مرنے کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا: میرا کفن ایسا خراب ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں جاتے شرم آتی ہے۔پرسوں فلاں شخص آنے والا ہے۔اس کے کفن میں اچھے کفن کا کپڑا رکھ دینا۔صبح کو صاحبزادے نے اٹھ کر اس کو دریافت کیا معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے اور کوئی مرض نہیں۔تیسرے روز خبر ملی اس کا انتقال ہو گیا ہے۔لڑکے نے فوراً نہایت عمدہ کفن سلوا کر اس کے کفن میں رکھ دیا اور کہا یہ میری ماں کو پہنچا دینا۔رات کو وہ صالحہ خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا خدا تمہیں جزائے خیر دے تم نے بہت اچھا کفن بھیجا۔''(بریلویت ص ۳۱۹ بحوالہ ملفوظات احمد رضا۔ص ۹۵)

اوپر دیوبندیوں کے بیان کردہ خوابوں کے نمونے پیش کئے گئے تھے۔یہاں بریلویوں کے بیان کردہ خواب کا ایک نمونہ پیش کیا گیا۔جس سے معلوم ہوا کہ کسی مُردے کے ذریعہ جو ابھی دفن ہونے والا ہے کسی ایسے مُردے کو جو دفن ہو چکا ہے، نئے کفن کا پارسل بھی بھیجا جا سکتا ہے۔اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

سوال یہ ہے کہ اگر دیوبندی بزرگوں کے بیان کردہ خوابوں پر اعتماد کیا جانا چاہئے تو پھر بریلوی بزرگوں کے بیان کردہ خوابوں پر بھی کیوں نہ اعتماد کیا جائے؟ اور دیوبندیوں اور بریلویوں میں فرق کیا رہا؟ دونوں کا راگ یکساں ہی معلوم ہوتا ہے۔

بزرگوں کے تعلق سے جو خواب بیان کئے جاتے ہیں ان کا من وعن صحیح ہونا ضروری

نہیں۔اوّل تو یہ حکایتیں محض سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہوسکتی ہیں۔جب حدیث کے معاملہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ کتنی ہی حدیثیں گھڑ کر نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں تو بزرگوں کی طرف کیا کچھ گھڑ کر منسوب نہیں کیا گیا ہوگا۔ثانیاً یہ کہ بزرگوں کے مرید عقیدت پیدا کرنے کیلئے عجیب وغریب باتیں بزرگوں کی طرف منسوب کرتے رہتے ہیں اوران پر ؎

پیراں نمی پرند مریداں می پرانند

کا قول صادق آتا ہے۔ثالثاً یہ کہ اصل چیز شریعت ہے نہ کہ خواب،اس لئے خوابوں کو جوں کا توں قبول کرنے کے بجائے شریعت کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے۔قرآن نے شریعت پر عمل کرنے کی ہدایت کر دی ہے نہ کہ خوابوں پر۔رابعاً یہ کہ شیطان جب ہر شخص کے ساتھ لگا ہوا ہے اوراس سے بزرگ بھی مستثنیٰ نہیں ہیں اور جب کہ شیطان انسان کے دل میں بیداری کی حالت میں بھی وسوسہ ڈالتا رہتا ہے تو نیند کی حالت میں کیا کچھ وسوسہ اندازی نہیں کرسکتا۔ خامساً یہ کہ ایک صالح آدمی بھی غلط اور الجھے ہوئے خواب دیکھ سکتا ہے۔چنانچہ بخاری کے شارح حافظ ابن حجر نے مہلب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''صالح شخص بھی کبھی اضغاث (الجھے ہوئے خواب) دیکھ لیتا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔''(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۰۵)

سادساً یہ حدیث صحیح ہے کہ جس نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا اس نے واقعی آپ کو دیکھا۔کیوں کہ شیطان آپ کا روپ اختیار نہیں کرسکتا۔لیکن حدیث کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے۔اس حدیث کا خطاب صحابۂ کرام سے ہے جو بیداری کی حالت میں آپ کو دیکھ رہے تھے۔اس لئے اگر ان میں سے کسی نے خواب میں بھی آپ کی شبیہ کو اسی طرح دیکھا تو اس نے واقعی خواب میں آپ کی زیارت کر لی۔لیکن بعد کے دور کے لوگ جنہوں نے نبی

ﷺ کو دیکھا نہیں ہے وہ کس طرح وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جس شخصیت کا انہوں نے خواب میں مشاہدہ کیا وہ ہو بہو نبی ﷺ کی شخصیت تھی۔ان کے پاس اس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور شیطان کوئی شبیہ پیش کر کے یہ باور کرا سکتا ہے کہ یہ نبی ﷺ کی شخصیت ہے۔اس لئے باوجود اس حقیقت کے کہ شیطان نبی ﷺ کا روپ اختیار نہیں کرسکتا وہ کسی دوسرے روپ کو پیش کر کے باور کرانے کی کوشش کرسکتا ہے کہ یہ نبی ﷺ کی شخصیت ہے۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ صحابۂ کرام خواب میں پیش کردہ شبیہ کو شناخت کر سکتے تھے۔لیکن جن لوگوں نے اپنی زندگی میں نبی ﷺ کو دیکھا ہی نہیں ہے ان کو شیطان دھوکہ دے سکتا ہے۔

'' قاضی عیاض نے اس سلسلہ میں وضاحت کی ہے کہ حدیث کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ جب کوئی شخص آپ کو اسی شکل میں دیکھے جو آپ کی زندگی میں تھی۔اس کے خلاف حالت میں نہ دیکھے۔لیکن اگر اس سے مختلف شکل میں دیکھے تو یہ خواب تاویل کا ہوگا حقیقی خواب نہ ہوگا۔'' (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۲۵)

''اور امام غزالی نے یہ صراحت کی ہے کہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کا کہ ''اس شخص نے مجھے دیکھا'' یہ مطلب نہیں ہے کہ اس نے میرا جسم اور بدن دیکھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس نے مثال (شبیہ) دیکھی۔۔۔۔تو اس شخص نے یعنی خواب دیکھنے والے نے) جو شکل دیکھی وہ مصطفیٰ (ﷺ) کی روح نہیں تھی اور نہ آپ کی شخصیت تھی بلکہ وہ حقیقۃً مثال (شبیہ) تھی۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۳۶)

سابعاً خواب میں کسی شخص کو دیکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس شخص کو غیب کا علم ہے اور وہ اختیار رکھتا ہے کہ کسی کے خواب میں جا کر اس سے بات کرے یا اس کا کوئی کام بنا دے۔

جس شخص کوخواب میں دیکھا جاتا ہے اس کا اس کوعلم بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ مجھے خود اس بات کا علم نہیں ہوسکا کہ میں نے اپنے ایک دوست کے خواب میں جا کر اس کو نماز پڑھنے کی تلقین کی۔ وہ نماز پابندی سے نہیں پڑھ رہے تھے جب انہوں نے اپنا یہ خواب مجھے سنایا تب مجھے اس کا علم ہوا۔ اب آپ اس کی کیا توجیہ کریں گے؟ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کسی شخص کی تمثیل کسی کے خواب میں پیش کر کے اس کو اصلاح یا خیر کے کام کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس میں اس شخص کا کوئی دخل نہیں ہوتا جس کو خواب میں دیکھا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی بزرگ کو کوئی شخص خواب میں دیکھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بزرگ بنفس نفیس اس شخص کے پاس پہنچے ہیں اور اس کی کوئی ضرورت پوری کر رہے ہیں یا اس کی کوئی تکلیف دور کر رہے ہیں یا اس کو کسی بات کی تلقین کر رہے ہیں۔ قرآن وسنت میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے کہ بزرگ حضرات اپنی وفات کے بعد اس قسم کے کارنامے انجام دیتے رہتے ہیں بلکہ قرآن وسنت سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

غرضیکہ بزرگوں کے خوابوں کو اس اہتمام کے ساتھ بیان کرنا کہ لوگ عجائبات کی دنیا میں رہیں، ان کے ذہن کو غیر حقیقت پسندانہ بنانا اور ایسی حکایتوں ہی میں انہیں الجھائے رکھنا ہے۔ کتنے ہی حکایت کردہ خواب عقل پر پردہ ڈالتے ہیں جب کہ اسلام عقل کو جلا بخشنے کا سامان کرتا ہے۔

اولیاء پرستی

مسلمانوں میں جو شرک آیا ہے وہ بدعت کی راہ سے آیا ہے۔ یعنی مشرکانہ عقائد واعمال کو تاویل کے ذریعہ جائز قرار دے کر اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان شرک سے نفرت کا اظہار کرتا ہے اور بت پرستی اور دیوی دیوتاؤں کی پرستش کے پاس پھٹکتا بھی نہیں ہے لیکن

اولیاء اور پیروں کیساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو حقیقۃً پرستش سے مختلف نہیں ہوتا۔ اوّل تو اولیاء اور پیروں کا مروجہ تصور ہی غلط ہے۔ اسلام نے ہر مؤمن متقی کو اللہ کا ولی قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ (سورہ یونس: ۶۲ تا ۶۴)

''سنو، جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کا تقویٰ اختیار کیا۔ مگر بدعتیوں کی اصطلاح میں اولیاء وہ ہیں جنہوں نے صوفیانہ اور زاہدانہ زندگی گزاری ہو، ریاضتوں میں دن رات مشغول رہے ہوں اور جن کی روحانی طاقت اتنی بڑھ گئی ہو کہ وہ دوسروں کو فیض پہنچا سکیں، ان کی فریاد رسی کر سکیں اور عالم اسباب میں تصرف کر سکیں۔ یہ اولیاء کا سراسر غیر اسلامی غیر قرآنی بلکہ بالکل باطل تصور ہے۔ پھر اس باطل تصور کی بنا پر جو شاندار درگاہیں تعمیر کی گئی ہیں وہ شرک و بدعت کا شعار ہیں اور ان چیزوں نے لوگوں کو قبر پرستی کی گمراہی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اگر اسلام میں درگاہ بنانے کا کوئی جواز ہوتا اور اسکی کوئی اہمیت ہوتی تو انبیاء علیہم السلام کی درگاہیں بنتیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ انبیاء کی قبروں کا نام ونشان بھی باقی نہیں رکھا گیا ہے اور چند ایک انبیاء علیہم السلام کی جو قبریں موجود ہیں ان پر نہ درگاہیں تعمیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ ان کو مرجع قرار دیا گیا۔ یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کو جو عبادت گاہ بنا لیا تھا تو حدیث میں ان کے اس عمل کو باعث لعنت قرار دیا گیا۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

لعن اللہ الیھود و النصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مسجدا (بخاری کتاب الجنائز)

''اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔''

اور فرمایا: **اولئک اذا مات منھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا و صور فیہ تلک الصور اولئک شرار الخلق عندا للّٰہ۔**

''ان لوگوں میں جب کوئی نیک شخص مرجاتا تو اس کی قبر پر وہ عبادت گاہ بناتے اور اس میں اس کی تصویریں بناتے۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔''

درگاہ کا کیا سوال نبی ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے ہی سے منع فرمایا ہے:

نھی رسول اللہ ﷺ ان یجصص القبر وان یقعد علیہ و ان یبنی علیہ.

''رسول اللہ ﷺ نے قبر کو چونے سے پختہ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اُس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔''

آپ نے اپنی قبر کو بھی مرجع بنانے کی ممانعت فرمائی:

لا تجعلو قبری عیدا صلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم (ابوداؤد کتاب المناسک)

''میری قبر کو مرجع (عید) نہ بناؤ البتہ مجھ پر درود بھیجو کہ جہاں کہیں بھی تم ہو تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا۔''

اس طرح اسلام نے قبر پرستی کی جڑ کاٹ دی ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہوا جس نے بزرگوں، اولیاء اور پیروں کی قبروں کو فیوض و برکات حاصل کرنے کا ذریعہ

بنالیا۔ اس مقصد کیلئے شاندار مقبرے اور درگاہیں تعمیر کی گئیں تاکہ وہ مرجع خلاق بنیں۔ ان کی رونق بڑھانے کیلئے عرس منانے کی بدعت رائج کی گئی۔ قبروں پر صندل چڑھانے، غلاف اور پھول کی جالیوں سے انہیں آراستہ کرنے کا ایسا اہتمام کیا گیا کہ پوجا کی ایک نئی شکل پیدا ہو گئی۔ مجاوروں نے اپنا پیٹ بھرنے کیلئے چراغی کا طریقہ رائج کیا۔ شیطان کی یہ چال ایسی تھی کہ بے شمار مسلمان گمراہی کا شکار ہو گئے۔ وہ ان اولیاء کو حاجت روا سمجھ کر اپنی حاجتیں ان کے سامنے پیش کرتے ہیں، ان کو فریاد کیلئے پکارتے ہیں، ان کی منتیں مانتے ہیں اور ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ یہ صریح قبر پرستی اور شرک ہے مگر ان مسلمانوں کی توحید پر اس سے کوئی حرف نہیں آتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ جائز ہے اور جو لوگ اس سے منع کرتے ہیں وہ بزرگوں اور اولیاء کی قدر نہیں کرتے، ان سے انہیں کوئی عقیدت نہیں اور ان کا عقیدہ خراب ہے۔ شیطان نے ان کو ایسی پٹی پڑھادی ہے کہ وہ توحید خالص کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور سچے موحدین کو وہ بدعقیدہ تصور کرتے ہیں اور انہیں چوبیس نمبری اور بُرے القاب سے مطعون کرتے ہیں۔

نذر و نیاز اور فاتحہ

نذر (منت) یہ ہے کہ تقرب (قرب حاصل کرنے) کیلئے کسی چیز کو اپنے اوپر لازم قرار دیا جائے۔ مثلاً یہ بات کہ اگر مجھے اللہ نے شفاء بخشی تو میں اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا یا اتنی رقم صدقہ کرونگا یا اتنے روزے رکھوں گا۔ نذر چونکہ تقرب حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے اس اعتقاد کے ساتھ، کہ فلاں نعمت جس کا تقرب چاہا گیا ہے اس کے عطاء کرنے سے حاصل ہوئی ہے اس لئے اس پر اس کا شکر واجب ہے یہ سراسر عبادت ہے اور عبادت چونکہ غیر اللہ کی شرک ہے اس کے لئے غیر اللہ کے نام کی نذر بھی شرک ہے۔ نذر صرف اللہ ہی کے لئے ہونی

چاہئے اور ایسی ہی نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ کسی نبی، یا ولی یا پیر کے نام کی نذر (منت) ماننا بدعت ہی نہیں شرک ہے۔ اور ایسی نذر (منت) کو پورا کرنا جائز نہیں کیوں کہ یہ معصیت ہے اور حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص معصیت کی نذر مانے وہ اسے پورا نہ کرے:

من نذر ان یطع الله فلیطعه ومن نذر ان یعصیهفلایعصیه (بخاری کتاب الایمان)

''جو شخص اس بات کی نذر مانے کہ وہ اللہ کی اطاعت (کا کوئی کام) کرے گا تو اللہ کی اطاعت کرے اور جو شخص نذر مانے کہ وہ اللہ کی معصیت (کا کوئی کام) کرے گا تو وہ معصیت کا ارتکاب نہ کرے۔''

فقہاء نے بھی اولیاء کی نذر کو حرام قرار دیا ہے:

فقہ السنہ میں ہے: **وفی کتب الاحناف : ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدرهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم، کان یقول : یا سیدی فلان ، ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من النقد او الطعام او الشمع او الزیت کذا، فهو باالجماع باطل و حرام لوجوه ، منها :**

''احناف کی کتابوں میں ہے: نذر جس کو اکثر لوگ وفات پائے ہوئے لوگوں کی مانتے ہیں اور درہم، موم بتیاں، تیل اور اس قسم کی دوسری چیزیں اولیاء کرام کے مقبروں پر ان کا تقرب حاصل کرنے کیلئے پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ اے میرے فلاں آقا! اگر میرا غائب شخص واپس آ گیا یا میرے مریض نے شفاء پائی یا میری حاجت پوری ہوئی تو میں آپ کے حضور یہ نقد یا یہ کھانا یا یہ موم بتیاں یا تیل پیش کروں گا تو اس کے باطل اور حرام ہونے

پر اجماع ہے جس کے وجوہ یہ ہیں:

۱۔ انه نذر لمخلوق، والنذر للمخلوق لا یجوز، لانه عبادة، وهی لا تکون الا لِلّٰه۔

''یہ نذر مخلوق کے لئے ہے اور مخلوق کے لئے نذر جائز نہیں کیوں کہ یہ عبادت ہے جو اللہ کے سوا کسی کیلئے روا نہیں۔

۲۔ ان المنذور له میت ، و المیت الیملک ۔

جس کے نام کی نذر مانی گئی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔

۳۔ انه ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالیٰ فاعتقاده ذلک کفر والعیاذ با لله ۔ (فقہ السنۃ للسید سابق ج ۳ ص ۳۸)

''اگر وہ یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ میت بھی امور میں تصرف کرتا ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے۔ اور اللہ کی پناہ اس سے!

اور جہاں تک نیاز کا تعلق ہے وہ بھی کسی ولی یا پیر کے تقرب ہی کیلئے مٹھائی یا کھانے کی شکل میں پیش کی جاتی ہے اس پر اس ولی یا پیر کے نام کا فاتحہ پڑھا جاتا ہے جس کے بعد وہ چیز متبرک سمجھی جاتی ہے اور تبرک کے طور پر کھائی بھی جاتی ہے اور تقسیم بھی کی جاتی ہے۔ یہ طریقہ پیٹ بھرو مولویوں کی ایجاد ہے اور ان کے پیٹ بھرنے کا سامان بھی، ورنہ دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ صریح بدعت ہے جو دین میں داخل کر دی گئی ہے اور غیر اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے شرک بھی ہے۔ لیکن شیطان نے نیاز کے بارے میں یہ تصور دیا ہے کہ یہ وہ بڑی نیکی کا کام ہے اور اس کو دلفریب بنا کر پیش کیا ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نیاز کا نہ صرف اہتمام کرتی ہے بلکہ نیاز کرنے والوں کو

صحیح العقیدہ سمجھتی ہے اور جو لوگ نیاز کے قائل نہیں ہیں ان کو بدعقیدہ قرار دیتی ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد

رہی فاتحہ تو اس میں سورۂ فاتحہ اور تین قل پڑھے جاتے ہیں پھر درود اور اخیر میں آیت اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ۔۔۔۔الخ پڑھی جاتی ہے۔ یہ سورتیں قرآن کی ہیں اور نماز میں بہ کثرت پڑھی جاتی ہیں۔ نبی ﷺ پر درود بھیجنا بھی یقیناً باعث اجر ہے اور آیت اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ ۔۔۔۔۔۔ پڑھنا بھی قرأت قرآن میں شامل ہے اس لئے اس فاتحہ کا کوئی جزء بھی قابل اعتراض نہیں بلکہ قابل اعتراض فاتحہ کا فارمولا ہے جو ایجاد کر لیا گیا ہے اور پھر اسے اس طرح رائج کر دیا گیا ہے کہ فلاں اور فلاں موقع پر فاتحہ پڑھنا گویا شرعی اور مسنون طریقہ ہے چنانچہ جو شخص ایسے کسی موقع پر فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی دینداری پر طعن کیا جاتا ہے اور اس سے نفرت کی جاتی ہے۔ اس طرح فاتحہ کا یہ طریقہ تفریق بین المسلمین کا باعث بن گیا ہے، اس کے بعد بھی اس کو بدعت اور ہر بدعت سیۂ ہی ہوتی ہے۔۔۔۔ نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ قرآن کی سورتیں اور آیتیں پڑھنا یقیناً بہت بڑی نیکی ہے لیکن کسی کو اپنی طرف سے کوئی فارمولا بنانے، اس کو رائج کرنے اور اس پر اصرار کرنے کا حق نہیں ہے۔ تعبدی معاملات (عبادات) توفیقی (شارع کی طرف سے مقرر) ہیں ان میں کسی قسم کا اضافہ کرنے کا کسی شخص کو بھی حق نہیں ہے۔ شارع نے جہاں چار رکعتیں مقرر کی ہیں وہاں کوئی شخص پانچویں رکعت کا اضافہ نہیں کر سکتا جب کہ پانچویں رکعت بھی سراسر عبادت اور ذکر ہے مگر شریعت نے عبادت کا جو طریقہ رائج کیا ہے، اس کی جو ہیئت مقرر کی ہے ان میں کمی بیشی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ نفل عبادتوں اور مسنون اذکار اور دعاؤں کے معاملہ میں رخصت دی گئی ہے کہ جو شخص خوش دلی سے ان چیزوں کا جس قدر اہتمام کر سکتا ہو کرے۔ کسی شخص کو یہ حق نہیں

پہنچتا کہ وہ ان میں سے کسی چیز کو لوگوں پر لازم کر دے۔ اس کے کرنے پر اصرار کرے اور جو شخص اس کی پابندی نہ کرے اس کی دینداری کو مشتبہ قرار دے کر مسلمانوں میں فتنہ برپا کرے۔

فاتحہ کی ایک بدعت تو یہ ہے کہ وہ مٹھائی، شربت اور انواع واقسام کے کھانوں پر دی جاتی ہے حالانکہ نبی ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر کھانے پینے، اور کھانے پینے کے بعد **الحمد للہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین** (شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمین میں سے بنایا) کہنے کی ہدایت فرمائی ہے مگر دین میں نت نئی باتیں پیدا کرنے والے اس مسنون طریقہ پر کیوں اکتفاء کرنے لگیں!

فاتحہ کی دوسری بدعت یہ ہے ہر فرض نماز کے بعد دی جاتی ہے۔ امام کے لئے ضروری ہے کہ بلند آواز سے فاتحہ کہے اور مقتدی فاتحہ پڑھنے میں شریک ہوں۔ اس کو اس طرح لازم کر دیا گیا ہے کہ اگر کوئی امام فاتحہ نہیں پڑھتا تو اس کو امامت کے لائق نہیں سمجھا جاتا اور جو مقتدی فاتحہ میں شریک نہیں ہوتے ان کو بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ خود ساختہ شریعت نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام نے جو طریقہ رائج نہیں کیا اس کو رائج کرنے اور جس چیز کو لازم نہیں کیا اس کو لازم کرنے کا کس کو کیا حق ہے؟ ایسے طور طریقوں کے ساتھ نرمی برتنے کے بجائے ان کو ترک ہی کیا جانا چاہئے تاکہ بدعت کا بدعت ہونا لوگوں پر واضح ہو جائے مگر افسوس ہے کہ مسجد کے اماموں میں اس کی جرأت نہیں ہے۔

فاتحہ کی تیسری بدعت نکاح وغیرہ کے موقع پر ہوتی ہے جس کو ایک رسم کی حیثیت دے دی گئی ہے اور فاتحہ کی چوتھی بدعت نماز جنازہ کے بعد اور قبرستان وغیرہ میں ہوتی ہے۔ نماز جنازہ میت کے لئے اجتماعی دعا ہے جس کا طریقہ شریعت نے بتا دیا ہے۔ اس کے بعد اس پر

فاتحہ کی کیا ضرورت اور ایک نیا طریقہ رائج کرنے کا کسی کو کیا اختیار؟ کیا یہ شریعت میں مداخلت نہیں ہے؟ اور کیا علماء اور مولویوں کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ شریعت میں مداخلت کریں اور اپنی خواہشات سے دین پر حاشیئے چڑھائیں؟

محرّم بدعتوں کے شباب کا مہینہ

محرّم کے مہینے میں نہ صرف بدعات وخرافات کی کثرت ہوتی ہے بلکہ کھلے شرک کا بھی ارتکاب ہوتا ہے۔ ان سب کا تعلق اس بات سے ہے کہ ماہ محرم میں حضرت حسینؓ کی شہادت ہوئی تھی۔ گویا محرم کا مہینہ جس کی دسویں تاریخ کو یعنی عاشورہ کے دن حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اسی اعتبار سے فضیلت رکھتا ہے اور عاشورہ کے دن کا روزہ بھی اسی کی یادگار میں رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ عاشورہ کی فضیلت کی بنیاد حضرت حسینؓ کے قتل کا واقعہ ہرگز نہیں ہے۔ یہ واقعہ تو ۶۱ھ میں پیش آیا جب کہ شریعت کی تکمیل عہد رسالت میں یعنی اس واقعہ سے پچاس سال قبل ہو چکی تھی۔ اور شریعت کی تکمیل کے بعد پیش آنے والے کسی بھی واقع کو خواہ وہ کتنی ہی اہمیت کیوں نہ رکھتا ہو کوئی شرعی حیثیت نہیں دی جاسکتی کہ اس کی بناء پر کسی قسم کی عبادت کا اہتمام کیا جائے یا مذہبی رسوم انجام دی جائیں۔

درحقیقت اسلام میں ماہ محرم کی اہمیت دو وجوہ سے ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس سے قمری سال کا آغاز ہوتا ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس مہینہ کی دسویں تاریخ یعنی عاشورہ کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی یہ بہت بڑی فتح تھی جو کافروں کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی۔ اللہ کے اس عظیم احسان کا شکر ادا کرنے کیلئے اس دن روزہ رکھنا مستحب قرار دیا گیا چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

قدم النبی ﷺ المدینه فرای الیهود تصوم یوم عاشوراء فقال ما هذا

قالوا هذا یوم نجی اللّٰه بنی اسرائیل من عدوهم فصامه موسی قال فانا احق بموسی منکم فصامه و امر بصیامه (بخاری کتاب الصیام)

''نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو دیکھا یہود عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ بڑا اچھا دن ہے۔ اس دن اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی لہٰذا موسیٰ (علیہ السلام) نے اس روز روزہ رکھا۔ آپ نے فرمایا ہم تم سے زیادہ موسیٰ کے حقدار ہیں چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔''

اس کے علاوہ اسلام میں نہ ماہ محرم کی کوئی خصوصیت ہے اور نہ عاشوراء کی کوئی فضیلت، عاشوراء کا دن تو درحقیقت خوشیاں منانے کا دن ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ کی نصرت بنی اسرائیل کے حق میں جو ایک مسلمان قوم تھی ظاہر ہوئی اور اس کے دشمن فرعون اور اس کی آل دریا میں غرق ہو کر صفحۂ ہستی سے ملیا میٹ ہو گئے مگر اس کا احساس کم ہی مسلمانوں کو ہے۔ عام طور سے مسلمان اس دن کو غم کا دن سمجھتے ہیں اور حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت پر آنسو بہاتے ہیں۔ حضرت حسینؓ کی شہادت یقیناً ایک افسوسناک واقعہ ہے لیکن یہ کوئی نادر واقعہ نہیں ہے جو تاریخ اسلام میں پیش آیا ہو۔ اس سے بھی زیادہ شہادت کا دردناک واقعہ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا ہے اور خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کی شہادت بھی بہت بڑا سانحہ تھا جس کے بعد خلافت راشدہ کا نظام درہم برہم ہو گیا مگر ان میں سے کسی کی شہادت کو یادگار دن سمجھ کر منایا نہیں جاتا اور نہ اسلام نے کسی کا یوم وفات یا یوم شہادت منانے کا طریقہ رائج کیا یہاں تک کہ جو انبیاء علیہم السلام ظالموں کے ہاتھوں شہید ہوئے ان کے یوم شہادت کو بھی یادگار دن قرار نہیں دیا اس لئے حضرت حسینؓ کی شہادت کا دن منانا صریح بدعت ہے۔

حضرت حسینؓ کی یادگار کے طور پر تعزیہ بنایا جاتا ہے جو صریح بت پرستی ہے۔ آخر

بت پرستی میں اور تعزیہ میں فرق کیا ہے؟ تعزیہ بنا کر جو کچھ اس کے آگے پیش کیا جاتا ہے، جو چڑھاوے اس پر چڑھائے جاتے ہیں، جو منتیں مانی جاتی ہیں اور اسے متبرک سمجھ کر اس سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ تعزیہ پرستی نہیں ہے تو کیا ہے۔ اس کھلے شرک کے بعد توحید کیا باقی رہ جاتی ہے۔ غنیمت ہے کہ لوگ اس گمراہی کو محسوس کرنے لگے ہیں اور اب کٹر جاہل ہیں یا پھر شیعہ ہیں جو اس گمراہی میں مبتلا ہیں۔ شیعہ تو بہت دھوم دھام سے تعزیہ نکالتے ہیں اور اس سے ان کی توحید پر کچھ آنچ نہیں آتی۔

محرم کی ابتدائی دس تاریخوں میں مرثیے کی مجلسیں جا بجا منعقد کی جاتی ہیں اور مرثیے بھی ایسے جو مبالغہ آرائی کی نادر مثالیں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ شعر:

سارے فرشتے مل کر جبریل کے برابر
رو رو دفن کئے ہیں اس کربلا کے اندر

مرثیہ نویس کی داد دیجئے کہ اسے معلوم ہوا کہ فرشتے روتے بھی ہیں اور کربلا میں بہ کثرت عالی مرتبہ فرشتوں نے رو رو کر حضرت حسینؓ کو دفن کیا۔ اگر یہ خیال آرائی نہ کی جاتی تو حضرت حسینؓ کے واقعہ کو افسانوی رنگ کس طرح دیا جا سکتا تھا اور ان سے اندھی عقیدت کس طرح پیدا کی جا سکتی تھی۔ اب عوام اور خصوصاً خواتین ایسے مرثیوں کو شوق سے سنتی ہیں اور ایسی مجلسوں کے انعقاد کو نیکی کا کام سمجھا جاتا ہے جن میں نیاز و فاتحہ کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ اور شیعہ تو ماتم کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں اور ماتمی جلوس بھی نکالتے ہیں۔ اس مظاہرہ کو دیکھ کر ایک غیر مسلم اسلام کے بارے میں کچھ اور ہی رائے قائم کر لیتا ہے اور اسلام اپنی اصل شکل میں اس کے سامنے آ نہیں پاتا۔ اسلام نے کسی بھی مرنے والے کا غم تین دن تک منانے کی اجازت دی ہے نہ اس نے کسی کی شہادت یا وفات پر یوم غم منانے کو روا رکھا ہے اور نہ ماتم اور

نوحہ کرنے کی اجازت دی ہے۔ حدیث میں نوحہ کرنے کی صریح طور سے ممانعت آئی ہے مگر ماتم کرنے والے اپنی خواہشات اور اپنے جذبات کے غلام بن گئے ہیں وہ کیوں کر کسی حدیث کو خاطر میں لانے لگیں!

مشہور ہے کہ حضرت حسینؓ پیاسے شہید ہوئے تھے اس لئے ان کے عقیدتمند محرم کے دس دنوں میں پانی کی سبیلیں لگا کر گزرنے والے لوگوں کو پانی پلانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ سبیلیں خوب سجائی جاتی ہیں اور شان و شوکت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک فضول اور دکھاوے کے کام کو کار ثواب قرار دیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ شربت بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ حضرت حسینؓ کے پیاسے شہید ہونے کے غم میں ٹھنڈا شربت پیا جاتا ہے اور لوگوں میں تقسیم کر کے ان کے غم کو بھی ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔

ایک تازہ بہ تازہ بدعت محرم کا کھچڑا ہے جو بڑی بڑی دیگوں میں پکایا جاتا ہے اور جس کے لئے چندہ بھی کیا جاتا ہے۔ یہ حضرت حسینؓ کے نام کی نیاز ہے جو متبرک سمجھ کر کھائی جاتی ہے اور احباب میں اس کو تقسیم بھی کیا جاتا ہے۔ غیر اللہ کے نام کی یہ نیاز اپنی اصل کے لحاظ سے مشرکانہ رسم ہے مگر اس کو کار ثواب سمجھا جاتا ہے۔ اس نیاز سے حضرت حسینؓ کی روح کو خوش کرنا مقصود ہوتا ہے جب کہ حضرت حسینؓ کو اس کی خبر بھی نہیں ہوگی کہ ان کے عقیدتمند اُن کے پیچھے ان کے نام سے کیا کچھ کر رہے ہیں اور کیسی گمراہ کن باتیں تراش رہے ہیں۔ آج تو یہ مزے لے لے کر غیر اللہ کے نام کا کھچڑا کھا رہے ہیں مگر قیامت کے دن یہ کھچڑا ہضم کرنا ان کے لئے مشکل ہوگا۔

بعض علماء اور مفتی حضرات محرم کے کھچڑے کی نیاز کو ایصال ثواب قرار دے کر اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بدعت کو انہوں نے ریفائن (Refine)

کر کے پیش کر دیا ہے ورنہ حضرت امام حسینؓ کے لئے ایصال ثواب کا کیا تُک ہے؟ جب کہ ان کو شہید اور عالی مرتبہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کو ثواب کی ضرورت ہے یا خود ایصال ثواب کرنے والے اس کے محتاج ہیں؟ آخر ان لوگوں کے پاس ثواب کا کتنا ذخیرہ ہے جو دوسروں کو بانٹتے پھریں۔ یہ لوگ اپنی نجات کیلئے ایسے اعمال کرنے کے محتاج ہیں جو ان کیلئے آخرت میں باعث اجر بن سکیں۔ لہٰذا انہیں حضرت حسین کی نجات کی نہیں بلکہ اپنی نجات کی فکر کرنا چاہئے اور قرآن نے جہنم سے نجات دلانے والے جن اعمال صالحہ کی ہدایت کی ہے ان سے اپنی زندگیوں کو سنوارنا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب لذیذ کھچڑا پکا کر انہوں نے خود کھایا اور اپنے متعلقین اور احباب کو کھلایا تو اس میں ثواب کا کیا کام ہوا جو کسی کو بخشا جائے۔ اگر کھانا کھانا کارِ ثواب ہے تو کھانا روزانہ ہی کھایا جاتا ہے پھر اس کا ثواب کسی کو کیوں نہیں بخشا جاتا؟ کیا ثواب کھانا کھانے ہی پر ملتا ہے اور دوسرے نیک کاموں پر نہیں ملتا؟ مثلاً کسی کو نماز کی ترغیب دینا اور کسی کو برائیوں سے بچنے کی تلقین کرنا ثواب کے کام نہیں ہیں؟ پھر ان کاموں کو انجام دے کر ان کا ثواب کیوں نہیں بخشا جاتا؟ حقیقت پر کتنا ہی پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ کھچڑا وغیرہ پیٹ بھرنے کا سامان ہے جس کو نذر و نیاز اور ایصال ثواب کا خوبصورت نام دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے ایسا کوئی طریقہ رائج نہیں کیا تھا نہ صحابۂ کرام کی زندگیوں میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔ یہ سب بعد کی ایجاد ہے جس کے بدعت ہونے میں کسی کلام کی گنجائش نہیں ہے۔ رہے مفتی حضرات کے فتوے تو ان کو آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام میں کسی چیز کے جواز و عدم جواز کا دارومدار شرعی حجت پر ہے اگر کسی مفتی کا فتویٰ شرعی حجت پر مبنی نہیں ہے تو وہ قابل رد ہے۔ قرآن نے اہل کتاب کے اس رویہ پر سخت گرفت کی ہے کہ وہ اپنے احبار و رہبان کی بلا حجت شرعی تقلید کرتے ہیں۔ وہ

جس چیز کو حلال قرار دیتے ہیں اس کو حلال اور جس چیز کو حرام قرار دیتے ہیں اس کو حرام سمجھ کر ان کے اقوال کی پیروی کرتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو رب بنا لیا ہے۔ اس طرح اسلام نے علماء پرستی اور مفتیوں کی اندھی تقلید کرنے کی جڑ کاٹ دی ہے۔ کیا ایک مسلمان اپنی عقل کو اس حد تک بھی استعمال نہیں کر سکتا کہ شرعی احکام کی روشنی میں کھچڑے اور نیاز کی کیا حقیقت ہے جب کہ اس کی کوئی مثال عہد رسالت میں نہیں ملتی۔ کھچڑا اور نیاز جیسی فضول چیزیں جن کا دین میں اضافہ کر دیا گیا ہے ایسی ہیں کہ اگر ایک مسلمان صاف ذہن سے سوچے تو اس کیلئے یہ بات سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ اور جو لوگ خلوص کے ساتھ اللہ سے ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ہدایت دیتا ہے **وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔** ''اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کریں گے ہم ضرور ان پر اپنی راہیں کھول دیں گے۔'' (عنکبوت۔۶۹)

حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا اور ان کے ساتھ جو کچھ کیا گیا اس کی جوابدہی ہم کو نہیں کرنا ہے۔ ہم کو اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے اس لئے اسی کی فکر ہونی چاہئے:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ . (بقرہ:۱۴۱)

''یہ ایک گروہ تھا جو گزر گیا۔ ان لوگوں نے جو کچھ کمایا وہ ان کے لئے ہے اور تم نے جو کچھ کمایا وہ تمہارے لئے ہے۔ ان کے اعمال کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا۔''

عید میلاد النبی

اسلام میں عیدیں صرف دو ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ ان کے علاوہ کسی عید کو اسلام نے

مشروع قرار نہیں دیا۔ مگر ملت کے ایک طبقہ نے اپنی طرف سے ایک اور عید کا اضافہ کر دیا ہے اور وہ ہے عید میلاد النبی۔ نبی ﷺ کی پیدائش کے دن کو عید کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یہ کام اس طبقہ کے علماء کی سرکردگی میں انجام پاتا ہے۔ مثلاً شب میں چراغاں کرنا اور بلڈنگوں کو قمقموں سے سجانا، مسجدوں میں پھولوں کی جالیاں لگانا جس سے اس کے درگاہ ہونے کا تصور پیدا ہوتا ہے، راستوں پر شاندار گیٹ بنانا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بڑے اہتمام اور شان و شوکت کے ساتھ میلاد النبی کا جلوس نکالنا۔

بمبئی میں میلاد النبی کا جو جلوس نکالا جاتا ہے وہ موجودہ مسلمانوں کی زوال پذیر دینی و اخلاقی حالت کی بولتی ہوئی تصویر ہے۔ اس کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ یہ ملت کس مقام پر فائز کی گئی تھی اور اب وہ انحطاط کی کس انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ جلوس میں اس طبقہ کے ممتاز علماء پیش پیش رہتے ہیں اور اس کی قیادت کا اعزاز اکثر غیر مسلم سیاسی لیڈر یا حکومت میں اعلیٰ منصب پر فائز شخص کو جو بالعموم غیر مسلم ہی ہوتا ہے بخشا جاتا ہے۔ اور اس بات پر فخر کیا جاتا ہے کہ ہم نے فلاں غیر مسلم شخصیت سے نبی ﷺ کیلئے خراج تحسین حاصل کر لیا حالانکہ ان لوگوں سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں لائے ہیں بلکہ جن کو ایمان لانے سے انکار ہے ایسے لوگوں سے نبی ﷺ کیلئے داد تحسین حاصل کرنا اپنی کم ظرفی اور نااہلی کا ثبوت دینا ہے۔ یہ سب نمائشی باتیں ہیں ورنہ نبی ﷺ کا مقام اتنا بلند ہے اور آپ کے فضائل اتنے درخشندہ ہیں کہ کسی غیر مسلم سے خراج تحسین حاصل کرنا ایک لاحاصل بات ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان غیر مسلم شخصیتوں کو آپ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی مگر مسلمانوں کے قائدین میں یہ جرأت کہاں اور ان کو دعوتی فریضہ انجام دینے کی کیا فکر! وہ تو ان شخصیتوں سے صرف داد تحسین حاصل کرنا چاہتے ہیں اور عوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ

انہوں نے اتنی اہم شخصیتوں کو جلوس کا قائد بنا کر اور ان کی زبان سے تعریفی کلمات نکلوا کر بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔

جلوس میں ٹرکس کی لمبی قطار ہوتی ہے جن میں زیادہ تر بچے سوار ہو کر شور وغل مچاتے رہتے ہیں۔ غیر سنجیدہ لوگ بھی اس میں شریک ہوتے ہیں اور الٹے سیدھے نعرے لگاتے ہیں۔ جو لوگ توحید خالص کے ماننے والے ہیں ان کو بُرے القاب سے پکار کر ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ جلوس کے استقبال کیلئے راستوں کے کناروں پر لوگوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ غرضیکہ بے ہودگی کا ایسا مظاہرہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی سنجیدہ آدمی اسے دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔ عین نماز کے وقت جب کہ مسجدوں میں جماعت سے نماز ہو رہی ہو شور وغل مچاتا ہوا جلوس گزر جاتا ہے اور جلوس میں شریک ہونے والے اکثر لوگ نماز سے بے نیاز رہتے ہیں۔ نماز جو فرض ہے اس کو تو بھلا دیا گیا لیکن جلوس جس کی دین میں کوئی اصل نہیں ضروری اور اہم قرار پایا۔

میلاد النبی کا جشن منانے پر بے دریغ خرچ کیا جاتا ہے اور نمائشی کاموں میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جاتی۔ اس شان کی ہوتی ہے میلاد النبی کی عید۔ اس کے بعد اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ اسلام نے جب دو عیدیں مشروع قرار دیں تو کسی کو کیا حق کہ اس پر تیسری عید کا اضافہ کرے۔ یہ کھلی شریعت سازی نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام میں کسی بھی شخصیت کے پیدائش کے دن کو منانے کی نہ کوئی اہمیت ہوتی ہے اور نہ اس طریقہ کو اسلام نے روا رکھا۔ اگر اس کی کوئی اہمیت ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی جلیل القدر شخصیت کا یوم پیدائش منانے کی ہدایت کی جاتی مگر چونکہ یہ چیز مطلوب نہیں تھی اس لئے ان کے یوم پیدائش سے بھی باخبر نہیں کیا گیا۔ نبی ﷺ کا بھی یوم پیدائش یقینی

طور سے معلوم نہیں ہے۔ مؤرخین کے درمیان تاریخ میں اختلاف ہے۔ کوئی ۹ ربیع الاول بتاتا ہے تو کوئی ۱۲ ربیع الاول تو کوئی اور تاریخ بتاتا ہے۔ یہ صورت حال اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام میں یوم پیدائش منانا مقصود نہیں ہے ورنہ تاریخ پیدائش سے امت کو باخبر رکھا جاتا۔ اگر نبی ﷺ کا یوم پیدائش منانا دین میں کوئی پسندیدہ بات ہوتی تو صحابۂ کرام ضرور مناتے مگر ان کا دور اس سے خالی رہا اور وہ ان تکلفات میں نہیں پڑے۔

گیارہویں

ربیع الثانی کی ۱۱ تاریخ کو جو حضرت عبدالقادر جیلانی کا یوم ولادت ہے گیارہویں منائی جاتی ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی کے بارے میں مسلمانوں کے ایک طبقہ کا جو بری طرح بدعتوں میں مبتلا ہے عقیدہ یہ ہے کہ آپ پیر دستگیر اور غوث الاعظم ہیں یعنی ان سے فریاد کی جائے تو وہ نہ صرف فریاد کو سنتے ہیں بلکہ دستگیری بھی فرماتے ہیں اور حاجت روائی بھی کرتے ہیں۔ اس باطل عقیدہ کو اسلامی عقیدہ ثابت کرنے کے لئے آڑ وسیلہ کی لی گئی ہے یعنی حاجت روائی اور فریادرسی کے یہ کام وہ اپنی ذاتی صفت کی بنا پر انجام نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے اختیار کی بنا پر انجام دیتے ہیں اس لئے ہم ان کا وسیلہ لیتے ہیں۔ لیکن یہ سراسر اللہ پر افتراء پردازی ہے انہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے یہ اختیار حضرت عبدالقادر جیلانی کو بخشا ہے کیا نازل شدہ وحی الٰہی میں اس کی کوئی نشاندہی کی جاسکتی ہے؟ اور حاجت روائی فریادرسی اور مشکل کشائی تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس کی اس صفت میں کسی کو شریک ٹھہرانا کھلا شرک ہے۔ غوث تو اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے پھر انہوں نے غوث الاعظم کا لقب ایک بزرگ کے لئے کیسے تجویز کیا؟ یہ لوگ بڑے زور سے نعرہ لگاتے ہیں غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور اس پر بڑا فخر کرتے ہیں مگر قیامت کے دن جب حضرت عبدالقادر جیلانی اپنے ان پرستاروں

سے بیزاری کا اظہار کریں گے تو انہیں احساس ہوگا کہ ان کے ہاتھ بالکل خالی ہیں اور غوث کا دامن ان سے گم ہو گیا ہے اور اپنے اس کرتوت کی وجہ سے اللہ کا دامن بھی چھوٹ گیا ہے۔ اس وقت وہ حواس باختہ ہوں گے اور اپنے ان خودساختہ اور مشرکانہ نعروں پر پچھتائیں گے۔ قرآن میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرا رکھے ہیں ان سے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریک قیامت کے دن بیزاری کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں تھا کہ یہ لوگ ہمارے نام سے کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔

گیارہویں میں کھچڑا بڑے اہتمام کے ساتھ بڑی بڑی دیگوں میں پکایا جاتا ہے۔ زردہ اور دوسرے پکوان بھی پکائے جاتے ہیں اور ان کو حضرت عبدالقادر جیلانی کی نیاز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ نیاز غیر اللہ کا تقرب (قرب) حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے یعنی اس لئے ہوتی ہے کہ جن بزرگ کے نام کی نیاز ہے وہ نیاز پیش کرنے والے سے خوش ہو جائیں اور اس کو برکتوں سے نوازیں۔ ظاہر ہے غیر اللہ کے بارے میں یہ تصور ہی شرک ہے۔ اس پر ہم محرم کے کھچڑے کے ذیل میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں اس لئے یہاں اس کو دہرانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ اس نیاز کو ایصال ثواب کا نام دے کر اسے جائز قرار دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔ یہ ایصال ثواب کے طور پر نہیں بلکہ نیاز کے طور پر ہوتا ہے۔ اگر ایصال ثواب کے طور پر ہوتا تو اس میں تبرک کا کیا سوال پیدا ہوتا؟

گیارہویں کو حضرت عبدالقادر جیلانی کی شان میں جلوس بھی نکالا جاتا ہے جس میں اس گروہ کے علماء پیش پیش رہتے ہیں۔ خوب نعرہ بازی ہوتی ہے ممتاز نعرہ وہی ''غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' یا اللہ کی جگہ یا غوث پکارا جاتا ہے اور کوئی نعرہ لگاتا ہے ''یا علی کل بلا ٹلی'' انہیں ایسے نعروں ہی میں مزہ آتا ہے۔ یا اللہ پکارنے کا مزا تو اسی شخص کو محسوس ہوگا جو اللہ کے

لئے توحید خالص کا عقیدہ رکھتا ہو اور اُسی کا ہو کر رہے۔

رجب کے کونڈے اور شب معراج

ماہ رجب کی ۲۲ رتاریخ کو امام جعفر صادق کی نیاز کے طور کھیر پوری پکائی جاتی ہے یہ شیعیت کا اثر ہے غیر اللہ کی نیاز کے بارے میں ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ یہ شرک ہے۔

رجب کی ستائیسویں شب کو شب معراج سمجھ کر منایا جاتا ہے۔ اول تو معراج کی تاریخ قطعی طور سے معلوم نہیں ہے کہ وہ رجب کی ستائیسویں شب تھی یا کوئی اور۔ اور اس شب کو خصوصی عبادت کرنے کی کوئی ہدایت شریعت نے نہیں دی ہے۔ صلوٰۃ التسبیح کا اس شب کو جو اہتمام کیا جاتا ہے اس کے لئے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ اگر اس شب کو منانے کی کوئی فضیلت ہوتی تو اس کی تاریخ سے بھی امت کو باخبر کیا جاتا اور اس شب کے فضائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتے لیکن کوئی صحیح حدیث بھی اس کی تائید میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو صحابہ کرام کو ضرور اس کا علم ہوتا اور وہ اس کو منانے کا اہتمام بھی کرتے مگر دور رسالت اور دور صحابہ میں تو شب معراج منائی ہی نہیں گئی۔ یہ سب بعد کی ایجاد اور بدعت ہے اور نا قابل اعتبار روایتوں کا سہارا لے کر اتنی بڑی چیز کو ہرگز ثابت نہیں قرار دیا جاسکتا۔

شب برأت

پندرہویں شعبان کی شب کو تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے اس میں نفلی عبادتیں بھی ہوتی ہیں اور حلوہ بھی پکایا جاتا ہے اور قبرستانوں کی زیارت بھی کی جاتی ہے۔ اس کا کوئی حکم شریعت نے نہیں دیا ہے۔ اس بدعت کو رائج کرنے والوں نے ضعیف اور بے سروپا روایتوں کا سہارا

لیا ہے۔ شب برأت کی جو فضیلت بیان کی جاتی ہے وہ نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ احادیث صحیحہ سے۔ نبی ﷺ نے جو سنت جاری فرمائی اس میں شب برأت منانے کا کوئی طریقہ موجود نہیں تھا اور نہ صحابۂ کرام کے زمانہ میں یہ رواج پذیر رہی۔ بلکہ بعد کے دور کی ایجاد ہے۔

بعض علماء قرآن کی آیت اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ''ہم نے اسے ایک مبارک شب میں اُتارا'' (سورہ دخان۔ ۳) سے استدلال کر کے مبارک شب سے شب برأت مراد لیتے ہیں حالانکہ یہ قرآن کے معنی میں صریح تحریف ہے۔ کیوں کہ قرآن نے خود صراحت کی ہے کہ ماہ رمضان میں قرآن نازل کیا گیا اور دوسری جگہ فرمایا کہ لیلۃ القدر میں قرآن نازل فرمایا۔ اس لئے لیلۃ المبارکۃ کا مطلب یہی شب قدر ہے جو ماہ رمضان کی شب ہے اور جمہور مفسرین بھی اسی کے قائل ہیں۔ شب قدر کی فضیلت قرآن وسنت سے واضح ہے اس لئے اس آیت سے شب برأت کی فضیلت پر استدلال سراسر غلط ہے۔

اور جہاں تک احادیث کا تعلق ہے بخاری اور مسلم میں تو شب برأت کے بارے میں کوئی حدیث موجود نہیں ہے۔ البتہ ترمذی میں حضرت عائشہ کی طرف ایک روایت منسوب ہے جس پر ہم تفصیل سے اپنی کتاب '' موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن'' میں بحث کر چکے ہیں۔ یہاں اسی مضمون کو پیش کیا جاتا ہے:

عن عائشه قالت : فقدت رسول ﷺ ليلة فخرجت فاذا هو با لبقيع فقال اكنت تخافين ان يحيف الله عليك و رسوله قلت يا رسول الله ظننت انک اتيت بعض نسآک ، فقال : ان الله تبارک و تعالى ينزل ليلة النصف من شعبان الى السمآء الدنيا فيغفر لا كثر من عدد شعر غنم كلب.

'' حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول ﷺ کو موجود نہیں پایا اس لئے

میں باہر نکل گئی۔ دیکھا کہ آپ بقیع (قبرستان) میں ہیں۔ آپ نے فرمایا! کیا تم کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ تمہاری حق تلفی کریں گے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ میں نے خیال کیا کہ آپ اپنی بعض ازواج کے ہاں تشریف لے گئے ہوں گے۔ فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نصف شعبان کی شب کو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور قبیلۂ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ تعداد میں مغفرت فرماتا ہے۔''

یہ حدیث ترمذی نے جس سلسلۂ اسناد کے ساتھ بیان کی ہے وہ یہ ہے:

''ہم سے احمد بن منیع نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں یزید بن ہارون نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہمیں حجاج بن ارطاۃ نے خبر دی وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کرتے ہیں وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں''۔

اس حدیث کو نقل کر کے ترمذی نے لکھا ہے کہ:

حضرت عائشہ کی اس حدیث کو ہم اسی اسناد سے جانتے ہیں جس کے راوی حجاج ہیں اور میں نے محمد (یعنی بخاری) کو سنا وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دے رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں یحییٰ بن ابن کثیر نے عروہ سے نہیں سنا ہے۔ نیز بخاری کہتے ہیں حجاج نے یحییٰ بن ابن کثیر سے نہیں سنا ہے۔ (ترمذی ابواب الصوم)

یعنی یہ حدیث اپنی اسناد کے لحاظ سے دو جگہ منقطع ہے۔ ایک حجاج اور یحییٰ کے درمیان اور دوسرے یحییٰ اور عروہ کے درمیان، اس سے یہ واقعہ اور ارشاد رسول ثابت نہیں ہوتا۔ ترمذی نے اس کو نقل تو کر دیا لیکن ساتھ ہی اس کے ضعیف ہونے کی صراحت بھی کی ہے۔

اس روایت میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اسکی صحت مشتبہ معلوم ہوتی ہے کیوں کہ حضرت عائشہ کا تنہا رات دیر گئے قبرستان جانا قرین مصلحت نہیں اور آپ کا حضرت عائشہ سے یہ سوال

کرنا کہ کیا تمہیں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ اللہ اور رسول تمہاری حق تلفی کریں گے ایک ایسا سوال ہے جس کی نسبت نبی ﷺ کی طرف صحیح معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ حضرت عائشہ یہ تو خیال کر سکتی تھیں کہ آپ کسی ضرورت سے اپنی دوسری ازواج کے ہاں تشریف لے گئے ہوں گے لیکن اس میں اللہ کی طرف سے حق تلفی کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے جو حضرت عائشہ اس بدگمانی میں مبتلا ہوتیں؟ پھر اگر پندرہویں شعبان کی شب ایسی فضیلت والی ہوتی کہ اس میں لاتعداد مُردوں کی بخشش ہو جاتی ہے تو آپ پہلے ہی لوگوں کو بتا دیتے تا کہ وہ اس شب میں عبادت وغیرہ کا اہتمام کرتے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ اس فضیلت والی شب سے اپنے اصحاب کو باخبر نہ کریں یہاں تک کہ حضرت عائشہ کو بھی اس کی خبر نہ ہو۔ اور اتفاق سے جب وہ قبرستان جائیں تو انہیں اس کا پتہ چلے؟ اس قسم کے معمے ضعیف حدیثیں ہی پیدا کرتی رہتی ہیں۔ سنت رسول ہمیشہ روشن ہوتی ہے اور دلوں میں یقین پیدا کرتی ہے۔

شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت میں کتب احادیث میں متعدد حدیثیں بیان ہوئی ہیں مگر سب ضعیف ہیں۔ کوئی حدیث بھی صحیح نہیں اسی لئے ایسی حدیثیں بخاری اور مسلم میں جگہ نہ پا سکیں۔ جب ضعیف حدیث حجت ہی نہیں ہے تو یہ فضیلت ثابت کہاں سے ہوئی؟ اگر یہ شب فضیلت کی شب ہوتی تو صحابۂ کرام میں اس کا چرچا ہوتا اور مشہور اور ثقہ راوی اسے روایت کرتے۔ اتنی اہم بات جس کا عام چرچا ہونا چاہئے صرف ضعیف راویوں کو کیسے معلوم ہو گئی! اور اب تو مسلمانوں نے ان ضعیف روایتوں کا سہارا لے کر شب برأت کو باقاعدہ تہوار کی شکل دیدی!! ضعیف حدیثوں کے معاملے میں نرمی برتنے سے کیسی کیسی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں!!!

واضح رہے کہ پندرہویں شعبان سے متعلق یہ حدیث بھی ضعیف ہے کہ ''یہ شب عبادت

میں گزارو اور دن کو روزہ رکھو۔'' ملاحظہ ہو تذکرۃ الموضوعات ص ۱۴۵ وتحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۴۴۲)

ترمذی کے راوی حجاج بن ارطاۃ کے بارے میں متعدد محدثین کی رائیں اچھی نہیں ہیں۔مثال کے طور پر ابن المبارک کہتے ہیں:

کان الحجاج یدلیس ''حجاج تدلیس کیا کرتے تھے'' (تھذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۹۷)

(تدلیس اسناد کا بہت بڑا نقص ہے جس میں راوی ایک راوی پر جس کا نام سننا لوگ پسند نہیں کرتے پردہ ڈال دیتا ہے)

وقال النسائی لیس بالقوی و قال ابن عدی انما عاب الناس علیه تدلیس عن الزهری وغیره و ربما اخطأ فی بعض الروایات . (تہذیب ج ۲ ص ۱۹۷)

''نسائی کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہیں اور ابن عدی کہتے ہیں کہ لوگوں نے ان کو زہری وغیرہ سے تدلیس ہی کی وجہ سے معیوب سمجھا ہے اور کبھی کبھی وہ بعض روایتوں میں غلطی کر جاتے ہیں۔''

وقال مسعود السنجری عن الحاکم لا یحتج به و کذا قال الدار قطنی (تہذیب ج ۲ ص ۱۹۸)

''مسعود سنجری نے حاکم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کو ذریعہ حجت بنانا صحیح نہیں اور دار القطنی نے بھی یہی کہا ہے۔''

ایسی کمزور روایت سے شب برأت جیسی بڑی بات کس طرح ثابت ہو سکتی ہے؟ نصف

شعبان کی رات کو قیام کرنے اور دن میں روزہ رکھنے کے سلسلہ میں ابن ماجہ کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جو درج ذیل ہے:

قال رسول اللہ ﷺ اذا کانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها وصوموا نهارها فان الله ینزل فیها لغروب الشمس الی سماء الدنیا فیقول الا من مستغفرلی فاغفرله الا مسترزق فارزقه الامبتلی فاعافیه الا کذا الا کذا حتی یطلع الفجر۔ (ابن ماجہ کتاب اقامہ الصلوۃ)

''رسول ﷺ نے فرمایا: جب نصف شعبان کی رات ہو تو رات میں قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو کیوں کہ اللہ تعالیٰ غروب آفتاب کے وقت اس شب میں آسمانِ دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے، ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا کہ میں اسے رزق دوں۔ ہے کوئی مصیبت میں مبتلا کہ میں اسے عافیت دوں۔اس طرح کے ارشادات فرماتا رہتا ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔''

اس حدیث کی اسناد یہ ہے: **حدثنا الحسن بن علی الخلال حدثنا عبد الرزاق انبانا ابن ابی سبرة عن ابراهیم بن محمد عن معاویه بن عبدالله بن جعفر عن ابیه ، عن علی بن ابی طالب .** اس حدیث کا ایک راوی ابن ابی سبرہ ہے جس کی کنیت ابوبکر ہے اس کے بارے میں زوائد میں ہے کہ ضعیف ہے۔اور احمد بن حنبل اور ابن معین کہتے تھے کہ یہ حدیثیں وضع کرتا ہے۔نسائی کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۸) ابن معین کہتے ہیں وہ ضعیف ہے (حوالہ مذکور) ابن حبان کہتے ہیں وہ ثقہ راویوں سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے اس کو حجت بنانا صحیح نہیں۔ (حوالہ مذکور)

اس کا ایک راوی عبدالرزاق بن ہمام ہے جس کے بارے میں امام نسائی فرماتے ہیں کہ

ان کی آخر کی روایات منکر ہیں۔(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۱۰)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا پر نزول فرمانے کا جو ذکر ہوا ہے وہ بخاری اور مسلم کی حدیث کے مطابق ہر شب کیلئے ہے۔ اسے شب برأت کیلئے خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

معلوم ہوا کہ ابن ماجہ کی یہ روایت نہایت بودی ہے اس لئے اس سے نہ نصف شعبان کی نماز ثابت ہوتی ہے اور نہ روزہ۔ مگر عام طور سے علماء تحقیق کی زحمت نہیں کرتے اور لوگوں کو بدعتوں میں مشغول رکھتے ہیں۔

کچھ دوسری روایتیں بھی شب برأت کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں مگر وہ مذکورہ بالا روایتوں سے بھی زیادہ ضعیف ہیں اور ہم طوالت کے خوف سے ان کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

خلاصہ یہ کہ شب برأت نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ سنت سے اور نہ صحابۂ کرام کے زمانہ میں اس کا چرچا رہا اور نہ انہوں نے اس شب کو منایا۔ یہ بعد میں رائج ہوئی اور اس کی تائید میں جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا موضوع اور کوئی روایت بھی ایسی نہیں جو صحت کے درجہ کو پہنچتی ہو۔

دو قبلے

امت مسلمہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی قبلہ مقرر کر دیا ہے اور وہ ہے مسجد حرام۔ چنانچہ تمام مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہوں مکہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور یہ مسلمانوں کو متحد رکھنے کا بڑا ذریعہ بھی ہے۔ مگر تفرقہ پسندوں نے نبی ﷺ پر سلام پڑھنے کیلئے مدینہ کے رخ کو متعین کیا اور مسجدوں میں شمال مغرب کی جانب گنبد خضراء کی تصویریں

آویزاں کر دیں تا کہ اس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر سلام پڑھا جائے۔ چنانچہ نماز کے بعد وہ لوگ جن کو یہ چیز خوشنما معلوم ہو رہی ہے گنبد خضراء کی تصویر کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر سلام پڑھتے ہیں۔ سلام کیلئے یہ تکلف کھلی بدعت ہے اور یہ مسلمانوں میں تفرقہ کا باعث ہے۔ چنانچہ جس مسجد کے متولی گنبد خضراء کی تصویر آویزاں کرنے سے انکار کرتے ہیں ان سے یہ لوگ لڑتے جھگڑتے ہیں اور جبراً تصویر آویزاں کر دیتے ہیں۔ آخر ان لوگوں کو ایک ایسی بات پر کیوں اصرار ہے جس کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے۔ کیا یہ لوگ شریعت ساز بن گئے ہیں کہ جو نیا طریقہ چاہیں دین میں نکالیں اور لوگوں کو زبردستی اس کا پابند بنائیں؟ ان کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی کہ شارع نے ہر نماز میں تشہد کو ضروری قرار دیا ہے اور تشہد بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے جس میں **السلام علیک ایھا النبی و رحمة الله و برکاتهٗ** کے کلمات ادا کئے جاتے ہیں اور اس کے بعد درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے۔ یہ سلام اور درود بیٹھ کر پڑھنے کو نماز کا جز قرار دیا گیا۔ اگر کھڑے ہو کر نبی ﷺ کو سلام اور درود بھیجنے کی کوئی فضیلت ہوتی تو تشہد میں بیٹھ کر سلام پڑھنے کا طریقہ مشروع نہ قرار دیا جاتا۔

یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ کے عقیدت مند یہی ہیں حالانکہ نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلنے والا اور آپ کی اس طرح پیروی کرنے والا جس طرح آپ نے پیروی کرنے کی ہدایت کی ہے آپ کا سچا عقیدت مند ہے۔ اور آپ کے ایسے مخلص پیروؤں ہی کے لئے اللہ کی نوازشیں اور آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو بے راہ روی میں مبتلا ہیں دین کی سمجھ عطا فرمائے۔

زیر اہتمام: صدیق قریشی
Pixel Arts
Mobail : 9820790615
Printed at :Fatima Printers
Tilak Nagar, Saki Naka , Mumbai - 400070